شاہ ہمدان کی فارسی غزلیات

پروفیسر شریف حسین قاسمی

میر سید علی ہمدانی معروف بہ حضرت شاہ ہمدان (متولد ۱۲ رجب ۷۱۴ھ/ ۲۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء، متوفی: ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ/ ۱۹ جنوری ۱۳۸۵ء) چودھویں صدی عیسوی کے ایک عظیم صوفی اور مبلغ ہیں۔ کشمیر میں آپ کی تبلیغی سرگرمیاں اور اس کے نتائج کی روداد آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ شاہ ہمدان کی ہمہ جہت شخصیت کے بے شک کئی تابناک پہلو ہیں۔ لیکن وہ سب کے سب ان کی داعیانہ حیثیت کے تابع ہیں۔ ان کے قلم سے جو کچھ بھی صادر ہوا ہے وہ ان کی داعیانہ شخصیت کا پرتو ہے اور اس کی مناسب افہام و تفہیم اور قدر و منزلت کے تعین کے لئے یہی بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

اس معروف صوفی و مبلغ کے بارے میں اظہار نظر کرنے والوں نے ان کی تصانیف کی تعداد سو، ڈیڑھ سو یا ایک سو اسی لکھی ہے۔ جہاں شاہ ہمدان کی زندگی کے بارے میں ان کے معتقدین نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں جو شاہ ہمدان سے ان کے بے پناہ جوشِ عقیدت کا نتیجہ ہیں، وہاں یہ تعداد بھی بظاہر مبالغہ آمیز نظر آتی ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ کسی نے حضرت شاہ ہمدان کی ان تمام تصانیف کے نام درج نہیں کیے ہیں۔

بنا بر شہرت منہاج العارفین، اوراد فتحیّہ، مکتوبات، رسالۂ مناجات، شرحِ فصوص الحکم، سیر الطالبین، آداب المریدین، رسالۂ معرفت زہد، رسالہ اورادیّہ، رسالۂ ذکریہ، رسالۂ حمدانیہ، رسالۂ قدسیہ، رسالۂ خواطر احادیث، رسالۂ فتوحات کے علاوہ ذخیرۃ الملوک ان کی تصانیف کی فہرست میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ چند رباعیات اور چہل اسرار کے نام سے چالیس غزلوں کا مجموعہ بھی شاہ ہمدان سے منسوب ہے۔

ان چالیس غزلوں کے بارے میں روایات یہ ہے کہ شاہ ہمدان رمضان المبارک کے مہینہ میں ایک دن اپنی خانقاہ میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے چالیس مرید، یکے بعد دیگرے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے آپ کو اپنے اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ آپ نے سب کی دعوت

منظور کرلی۔ آپ کے خلیفہ شیخ قوام الدین بدخشی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور حیرت میں تھے کہ ان کے مرشد کس طرح ایک ہی وقت میں چالیس لوگوں کے گھر جاکر کھانا کھائیں گے۔ لیکن وہ اس بارے میں استفسار کی جرأت نہیں کرسکے۔ افطار کے بعد شاہ ہمدان خانقاہ معلیٰ میں واقع اپنے حجرہ خاص میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کرلیا۔ عشاء کے وقت کے لئے باہر آئے اور نماز ادا کی۔ اگلے روز عقیدت مند اور مرید حسب معمول خانقاہ میں جمع ہوئے۔ ان میں وہ چالیس مرید بھی تھے جن سے ایک دن قبل شاہ ہمدان نے ان کے گھروں پر کھانا کھانے کا وعدہ کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے بتایا کہ شاہ ہمدان گذشتہ رات ان کے مہمان رہے تھے۔ اور ہر ایک نے ایک ایک غزل بھی پیش کی جو شاہ ہمدان نے ان کے گھروں پر کھانے کے بعد انہیں تحفتاً عنایت کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاہ ہمدان اس رات اپنے حجرہ سے مطلق باہر ہی نہیں نکلے تھے۔

بہر حال انہی چالیس غزلوں کے مجموعہ کو چہل اسرار کے نام سے جمع کردیا گیا ہے۔

اس کے قدیم قلمی نسخے غالباً دستیاب نہیں ہیں۔ میرے دوست ڈاکٹر محمد منور مسعودی، پروفیسر شعبہ فارسی، کشمیر یونیورسٹی نے ان چالیس غزلوں کا فارسی متن ، ان کا اردو، انگریزی اور کشمیری ترجمہ ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر مسعودی کو بھی چہل اسرار کا کوئی قدیم نسخہ دستیاب نہیں ہوسکا۔ انہوں نے اس کا فارسی متن تین قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ ان تینوں نسخوں پر سال کتابت درج نہیں ہے۔ ان کے جو کوائف ڈاکٹر مسعودی نے بیان کیے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ یہ غالباً بہت بعد کے دور میں مرتب ہوئے ہوں گے۔

فارسی شعرا کے متعدد تذکرے فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں بعض عمومی نوعیت کے تذکرے بہت ضخیم بھی ہیں۔ جن حضرات نے ان تذکروں کا توجہ اور تفصیل سے مطالعہ کیا ہے ان پر یہ حقیقت روشن ہے کہ ان میں بہت سے ایسے شعرا کا ترجمہ بھی شامل ہے جو باقاعدہ شاعر نہیں تھے اور محض تفننِ طبع کے طور پر دو چار شعر کہہ لیتے تھے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تذکرہ نگاروں کا یہ عام طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے معمولی سے معمولی شاعر کے احوال بھی اپنے اپنے تذکروں میں درج کیے ہیں، لیکن شاہ ہمدان کا ذکر ایک شاعر کی حیثیت سے تذکروں میں مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ شاہ ہمدان کا منظوم کلام ان کی دسترس سے باہر رہا ہو یا پھر یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ شاہ ہمدان خود اپنے زمانہ میں یا اس کے بعد ایک شاعر کی حیثیت سے معروف

ہی نہیں تھے۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ شاعر نہ ہونے کی وجہ سے شاہ ہمدان کی عالمانہ، عارفانہ اور داعیانہ حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا، وہ مسلم ہے۔

ان چالیس غزلیات کا شاہ ہمدان سے انتساب ایک پر اسرار معاملہ ہے۔ یہ غزلیں حقیقت میں ان کی ہیں یا نہیں، یہ خود تحقیق کا ایک اہم موضوع اور دقت طلب مسئلہ ہے۔ اس پر کام ہونا باقی ہے۔

راقم نے ان غزلیات کا ایک مختصر جائزہ لیا ہے اور یہ سوچ کر جائزہ لیا ہے کہ جب تک یہ واضح طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ یہ غزلیں کس شاعر کی ہیں، شاہ ہمدان سے ان کے انتساب کو قبول کر لینا چاہیے۔

چہل اسرار کی غزلوں میں علی اور علایی تخلص استعمال ہوئے ہیں۔ ان تمام غزلوں پر گہرا عارفانہ رنگ غالب ہے۔ زبان آسان اور انداز بیان سلیس اور والہانہ ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے، وہ کہنے والے کے اپنے ذاتی احساسات ومشاہدات پر مبنی ہے۔ وہ تاریخ اسلام سے بخوبی واقف ہے، تفسیر، فقہ اور حدیث پر اس کی گہری نظر ہے۔ بنیادی طور پر صوفی ہے۔ اس لیے عرفان وتصوف کے جملہ امور سے خوب آشنا ہے اور اس وسیع میدان عمل میں جو کچھ اس پر بیتی ہے وہ اسے بے کم وکاست بیان کر رہا ہے۔ چوں کہ یہ آپ بیتی ہے اس لیے بیان میں صراحت بھی ہے، ایقان کی کیفیت بھی اور تاثیر بھی۔ غزلیں محض عشق حقیقی کی سرگذشت ہیں جن میں عشق مجازی کی جھلک بھی نہیں۔ ان غزلوں میں بعض ایسے عرفانی تجربات ومشاہدات کا ذکر بھی ہے جن سے شاہ ہمدان سے پہلے کے عظیم عرفأ بھی دوچار ہوئے تھے۔ تجربات و مشاہدات کی یہ تکرار ان کے برحق ہونے کا ثبوت ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔ جو چہل اسرار کی غزلوں میں سب سے پہلی غزل کا مطلع ہے۔

ای گرفتاران عشقت فارغ از مال و منال
والہان حضرتت را از خود و جنت ملال

تیرے عشق میں گرفتار، دنیوی مال ومتاع کے متمنی نہیں، جو تیرے والہ وشیدا ہیں، تجھ سے وصل کی خواہش میں خود اپنے آپ یعنی نفس اور جنت سے بیزار ہیں۔

یہ شعر ہمیں رابعہ بصری سے متعلق اس دلچسپ اور سبق آموز واقعہ کی یاد دلاتا ہے جو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ عالم اسلام کی یہ معروف شخصیت ایک روز ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے میں

آگ لیے، جاتی ہوئی نظر آئی۔ کسی نے پوچھا، اس حال میں کہاں جارہی ہیں؟ جواب دیا۔ پانی سے جہنم کی آگ بجھانے اور آگ سے جنت کو بھسم کرنے جارہی ہوں تاکہ لوگ خدا کی عبادت جہنم کے خوف اور جنت کی آرزو میں نہ کریں بلکہ خالق حقیقی سے محبت ہی اس عبادت کی وجہ ہو، یہ حقیقت شناس عرفا کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ حور و قصور کی جنت عاشق ربانی کا مقصود نہیں۔ اسی غزل کا ایک اور شعر ہے:

کشتگان تیغ عشقت ، زندگان جاودان
صید شاہین غمت شاہان ملک بی زوال

حقیقی عشق کے مارے ہوئے، ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، اور تیرے غم کے شاہین کے شکار ہمیشہ باقی رہنے والے ملک کے بادشاہ ہوجاتے ہیں۔ یہ عشق حقیقی کی کارسازی ہے۔

یہ شعر ہمیں جام زندہ کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے جس نے مجلس سماع میں وہ عالم وجد پیدا کردیا تھا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردی تھی، زندہ پیل کا شعر ہے:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانی دیگر است

ایک غزل میں شاہ ہمدان عاشقان خدا کے اخلاق، ان کی مشکلات، ان کے بلند مقام، ان کی حرکات و سکنات وغیرہ کا فصیح زبان اور مترنم انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ارباب ذوق اور عاشقان خدا دنیوی مال و متاع سے بے نیاز صرف اپنے خالق کے تصور میں محو رہتے ہیں۔ عشق کے شکنجہ نے انہیں دنیوی آلودگیوں سے پاک و صاف کردیا ہے۔ وہ حسن ازلی کا صرف ایک بھید ہی جان لینے کے عوض حوران بہشتی کو کوڑیوں کے بھاؤ بھی نہیں خریدتے۔ اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

ارباب ذوق در غم تو آرمیدہ اند
وز شادی و نعیم دو عالم رمیدہ اند
پالودۂ شکنجۂ عشقند زان سبب
زآلودگان جیفۂ دنیا بریدہ اند
از ناز یار و محنت اغیار فارغند
چون در سرادقات جلالش رسیدہ اند

جو صوفیا نغمۂ توحید سے سرمست ہوتے ہیں، ان میں بڑی رواداری ہوتی ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے جمنا کے کنارے غیر مسلموں کو اپنے طور طریقہ پر عبادت میں مصروف دیکھ کر سراہنے کے انداز میں کہا تھا:

ہر قوم راست راہی، دینی و قبلہ گاہی

ایسے صوفیا کا خیال ہے کہ مسلم اور غیر مسلم بلا امتیاز مذہب وملت اس کے فیض سے سرشار ہیں۔ سچ یہ ہے کہ جذبۂ توحید کے پیدا ہونے کے بعد تمام مسائل حیات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ موحد کائنات کے ورق پر حقیر ذرہ کو بھی اسی کی بارگاہ میں سر بہ سجود دیکھتا ہے۔

ہمدانی کہتے ہیں:

دید علایی عیان بر ورق کائنات　　　جملۂ ذرّات کون پیش رخش در سجود

ایک موحد زندگی، جسم، کفر اور دین کو سلوک میں رکاوٹ گردانتا ہے۔ وہ ان مواقع سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے اور عشق خداوندی کے اتاہ سمندر میں غرق ہوجانا چاہتا ہے۔ ہمدانی کہتے ہیں:

جان و تن بنداست و کفر و دین حجاب اندر رہش
جملہ را برہم زن و باعشق او ہمراز شو

یہاں جو غمزۂ حسنِ ازل کا شکار ہوا وہ نام وننگ اور کفرودین کے تصور سے کلی طور پر آزاد ہوجاتا ہے:

کسی کز غمزۂ حسنش چو زلف او پریشان شد
زنام و ننگ و کفر و دین بکلی بی خبر باشد

اور جب عشق کا ارغوان توحید کے نغمہ سے ہم ساز وہم آواز ہوجاتا ہے تو مطرب اس کے جمال کے شوق میں موزوں نغمے بکھیرنے لگتا ہے۔

ارغنون عشق چون با نغمۂ توحید ساخت
مطرب از شوق جمالش نالۂ موزوں زند

شاہ ہمدان متعدد جگہ نفس کو عرفان حقیقی کے راستہ کا پتھر قرار دیتے ہیں۔ انسان کا پندار یعنی ''میں'' اسے سعادتِ عرفان سے دور رکھتا ہے:

شارح ادبار ما پردۂ پندار ما
ہر کہ ازین پردہ رست گوی سعادت ربود

جنھوں نے نفس کو کچل دیا، وہ لامکاں میں حتی فرشتوں سے زیادہ بلند مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں:

از ہوای نفس گر یک رہ خلاصی باشدش
درہوای لامکان لاف از ملک افزون زند

جہان خدا سورج کی روشنی کی طرح ہر جگہ موجود ہے۔ وہاں ہماری ہستی نفس کی بدبختی ہے، جو روشنی پر پردہ ڈالے رہتی ہے:

ادبار ہستی ما شد پردۂ جمالش
ور نہ ز راہ تحقیق خورشید نیست پنہاں

شاہ ہمدان ابن عربی کے مکتب فکر سے وابستہ تھے۔ آپ نے فصوص الحکم کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ ابن عربی وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ ان کی پیروی میں شاہ ہمدان بھی اسی عقیدہ کے حامی اور مبلغ رہے۔

ہمارے بزرگ عرفا نے علم کو بڑی اہمیت دی ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو صوفی صاحب علم نہیں وہ بہ آسانی مسخر شیطان ہوجاتا ہے۔ اسی عقیدہ کے اثبات کے لئے شاہ ہمدان کہتے ہیں کہ اگر تم روضۂ دل کو علم کے پانی سے سیراب کروگے تو آخر کار تمہیں باغ وصال تک رسائی حاصل ہوجائے گی۔

تو روضہ دل اگر ز آب علم تازہ کنی بہ عاقبت ز ریاض وصال بر یابی

اس ضمن میں شاہ ہمدان کا ایک دوسرا شعر بھی دلچسپ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جہالت نے ہی انسان کو بارگاہ قرب سے دور رکھا ہے ورنہ انسان سے زیادہ کوئی بھی اس سے نزدیک نہیں۔

خواب جہل از حرم قرب مرا دور افکند ورنہ نزدیک تر از دوست کسی ہیچ ندید

دنیوی شعائر ورسوم کے مقابلہ میں حکمت ودین اور اصل روحانیت پر نظر رکھنے والے وسیع النظر اور وسیع المشرب ہوتے ہیں۔ محض اختلاف رسوم کی بناپر دوسروں کو مطلقاً گمراہ نہیں سمجھے۔ شاہ ہمدان اسی سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جو مجازی رسوم کے بندھن سے آزاد ہوگیا، اسے فنا کے زہر میں بھی بقا کا خوشگوار شربت حاصل ہوجاتا ہے:

چو از رسوم مجازی فنا شد کلی درون زہر فنا شربت بقا یدہ
ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

ایک پوری غزل میں شاہ ہمدان نے انسان کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا ہے، انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا کیا مقام ہے؟ اس کی کیا صفات ہیں؟ یہ ساری کائنات کس طرح اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہے؟ اسکی استعداد صلاحیت کیا ہے وہ کیسے کیسے رازوں کا امین ہے؟

تو کان گوہر کافی و جوہر نونی
چہ کاف و نون ز کاف و نون تو افزونی
محیط گنبد افلاک را تویی مرکز
صفای صافی اسرار را تو استونی
ز دور دایرہ گر بہ سوی مرکز آیی باز
یقین بود کہ ز ہر وصف و وہم بیرونی
سپہر مطلع انوار و آفتاب جلال
بہ گرد نقطہ ذات تو کردہ گردونی
ظہور سر کمالات سرمدی از تست
اگرچہ خازن اسرار را تو مخزونی
قبای غیرت او بود ہرچہ جمال تو شد
تویی کہ در صدف علم دُرّ مکنونی

علامہ اقبال نے بھی انسان کو اس دنیا میں اس کے اعلیٰ مرتبہ کی یاد دلائی ہے۔ اقبال شاہ ہمدان اور ان کے عقاید وخیالات سے خوب واقف تھے۔ اسی طرح انہوں نے شاہ ہمدان کی زندگی ان کے عقاید اور تعلیمات سے فائدہ بھی اٹھایا تھا۔ ان کی نظم ''زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی'' اپنے دور کے اس عظیم المرتبت صوفی وعارف سے ان کی محبت اور ذہنی طور پر ان کے افکار وخیالات سے ہم آہنگی کی ترجمانی ہے۔